عورت اور اسلام

مولانا سیّد جلال الدین عمری

فہرست مضامین

دیباچہ طبعِ اول ۷
طبعِ جدید ۹
ورت کی عظمت اور خاندان کی تعمیر میں اس کا کردار ۱۱
عورت کی محکومی کے خلاف اسلام کی صدائے احتجاج ۱۱
اسلام- مساوات مرد و زن کا پہلا علم بردار ۱۲
عورت اور مرد کی کام یابی ایمان و عمل سے وابستہ ہے ۱۳
عورت کا میدانِ کار اس کا گھر ہے ۱۴
دو اعتراضات اور ان کا جواب ۱۴
دائرۂ عمل کیوں الگ ہو؟ ۱۶
پہلی وجہ ـــــ عفت و عصمت کی حفاظت ۱۶
دوسری وجہ ـــــ صلاحیتوں کا فرق ۱۷
گھر چھوڑنے میں عورت کا نقصان ہے ۱۸
گھر کی بنیادی اہمیت ہے ۱۹
گھر میں عورت کی خدمات ۱۹

مسلمان عورت - گھر اور خاندان میں ۳

ماں کا احترام ۴

بیوی کے حقوق ۹

لڑکی سے محبت اور اس کے تقاضے ۵

بہن کی خدمت اور کفالت ۰

مسلمان عورت کی تاریخ ــــ ایمان اور عبادت کے نقوشِ تاباں ۵

قبولِ اسلام میں سبقت ۵

دین پر استقامت ۷

ذوقِ عبادت ۰

نماز کا اہتمام ۱

نماز باجماعت میں شرکت ۱

ذکر و تسبیح ۴

کثرتِ عبادت ۸

روزے کا شوق ۰

جذبۂ انفاق ۲

حج اور عمرہ ۲

مسلمان عورت - علم و فضل کے میدان میں ۷

حضرت عائشہؓ ۷

حضرت ام سلمہؓ ۹

حضرت حفصہؓ ۹

حضرت ام حبیبہؓ ۰

حضرت میمونہ بنت الحارثؓ ۰

حضرت لبابہ بنت الحارثؓ	۸۱
حضرت ام ہانی بنت ابی طالبؓ	۸۱
حضرت اسماءؓ بنت ابو بکرؓ	۸۱
حضرت خولہ بنت حکیمؓ	۸۲
حضرت نُسیبہ بنت کعب (ام عطیہ)	۸۳
بعض دیگر صحابیات	۸۳
حضرت فریعہ بنت مالکؓ	۸۲
ام الدرداء الجہیمہؒ	۸۴
عمرہ بنت عبدالرحمٰنؒ	۸۶
حفصہ بنت سیرینؒ	۸۷
عائشہ بنت سعد بن وقاصؒ	۸۸
عائشہ بنت طلحہؒ	۸۸
حیرہ ام الحسنؒ	۸۹
سیدہ نفیسہؒ	۸۹
بنت سعید بن المسیبؒ	۸۹
المویدز زینب بنت ابو القاسمؒ	۹۲
شہدہ بنت ابی نصرؒ	۹۲
سلمان عورت۔ دینی، سماجی اور سیاسی خدمات	۹۵
دعوت وتبلیغ	۹۵
معاشرتی تعلقات	۱۰۱
سماجی خدمات	۱۰۵
سیاسی محاذ پر	۱۰۶

دورِ حاضر میں مسلم خواتین کی ملازمت کا مسئلہ ۱

خاندان میں مرد اور عورت کے فرائض ۱

تعلیم یافتہ خواتین میں ملازمت کا رجحان ۲

سوال:۱ شریعتِ اسلامی خواتین کے لیے کسبِ معاش کو کس نظر سے دیکھتی ہے؟ ۲

سوال:۲ کیا شریعت نے خواتین پر نان ونفقہ کی ذمے داری رکھی ہے؟ ۴

سوال:۳ معیارِ زندگی کو بلند کرنے کے لیے معاشی جدوجہد کا کیا حکم ہے؟ ۷

سوال:۴ کیا اندرونِ خانہ معاشی سرگرمیوں کے لیے بھی ولی یا شوہر کی اجازت ضروری ہے؟ ۱۸

سوال:۵ گھر سے باہر معاشی جدوجہد سے متعلق احکام ۱۹

سوال:۶ خواتین کے لیے ملازمت کے شرعی حدود ۲۲

سوال:۷ ملازمت کرنے والی خواتین کے لیے پردے کے احکام ۲۲

(الف) چہرے اور ہاتھ کا پردہ ۲۳

(ب) نامحرم خاتون سے گفتگو کا مسئلہ ۲۶

(ج) جوان عورت اور سن رسیدہ عورت کے احکامِ حجاب میں فرق ۲۸

بعض غور طلب پہلو ۳۰

کتابیات ۳۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ طبع اوّل

موجودہ دور میں اسلام کے بارے میں، جو غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں یا بالقصد پیدا کی جاتی ہیں، ان میں ایک یہ بھی ہے کہ اسلام نے عورت کو مرد کے برابر حیثیت نہیں دی ہے اور اس کی تگ و دو پر اتنی پابندیاں عائد کردی ہیں کہ وہ زندگی کی دوڑ میں لازماً پیچھے رہ جاتی ہے اور ہمیشہ مرد کی دست نگر رہتی ہے۔ حالاں کہ یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلام نے سب سے پہلے مساواتِ مرد و زن کا علَم بلند کیا۔ اس نے کہا خدا کی نظر میں عورت اور مرد دونوں برابر ہیں اور ان کی کام یابی و ناکامی کے اصول بھی ایک ہیں۔ لیکن وہ موجودہ دور کے اس تصورِ مساوات کو غلط سمجھتا ہے کہ دونوں کو ایک میدان میں کام کی اجازت ہونی چاہیے، اس کے بغیر ان کے درمیان مساوات قائم نہیں ہوسکتی۔ اسلام کے نزدیک عورت کو گھر کی اور مرد کو باہر کی ذمے داری اٹھانی چاہیے۔ اس لیے کہ دونوں کے دائرہ ہائے کار فطری طور پر الگ ہیں۔ اس نے مرد اور عورت کے درمیان تقسیم کار کے ساتھ ان کے حقوق اور ذمے داریوں کا تعین کیا اور انھیں اس کا پابند بنایا، تاکہ عملی زندگی میں عدل اور انصاف کے تقاضے پورے ہوں اور کسی کی حق تلفی نہ ہونے پائے۔

اس موضوع پر میری ایک مفصل کتاب '**عورت - اسلامی معاشرے میں**' کئی سال قبل شائع ہوچکی ہے۔ پیشِ نظر کتاب کا موضوع بھی یہی ہے۔ اس میں ان گوشوں کو زیادہ واضح کیا گیا ہے، جو پہلی کتاب میں مجمل رہ گئے تھے اور ان مباحث کی طرف صرف مجمل اشارے کیے گئے ہیں یا انہیں نظر انداز کر دیا گیا ہے، جن پر تفصیل سے اس میں بحث ہوچکی ہے۔ سابقہ کتاب کے مواد کے استعمال سے بھی جہاں تک

ہوسکا احتراز کیا گیا ہے اور بڑی حد تک نیا مواد پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ سابقہ کتاب میں زیادہ تر اصولی مباحث ہیں۔ پیشِ نظر کتاب کی ہر بحث کے شروع میں قرآن و حدیث کی تعلیمات بہت ہی اختصار کے ساتھ پیش کی گئی ہیں اور پھر حدیث سیرت اور تاریخ سے معتبر واقعات اور عملی نمونے اس کی تائید میں فراہم کیے گئے ہیں۔ اس طرح یہ دونوں کتابیں گو ایک ہی موضوع سے متعلق ہیں، لیکن ایک دوسرے کی تکمیل کرتی ہیں۔

کتاب میں واقعات زیادہ تر دورِ اول کے پیش کیے گئے ہیں۔ اس لیے کہ یہی دور ہمارے لیے اسوہ ہے۔ بعد کے ادوار سے بہت کم مثالیں دی گئی ہیں۔ کہیں کہیں فقہی مسائل کا بھی ذکر آ گیا ہے۔ اس سلسلے میں فقہاء کے مسالک نہیں بیان کیے گئے ہیں۔ اس کے لیے فقہی کتابوں کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

پوری کتاب قرآن و حدیث اور سیرت کے مستند مآخذ کی روشنی میں لکھی گئی ہے۔ بے دلیل کوئی بات نہیں کہی گئی ہے، اس کے باوجود خامیوں کا امکان ہے۔ جن صاحب کو کوئی خامی نظر آئے وہ براہِ کرم اس سے مطلع فرمائیں۔ ان شاء اللہ آئندہ اس کی اصلاح کر دی جائے گی اور یہ عاجز اس کے لیے شکر گزار ہوگا۔

سالِ رواں (۱۹۷۹ء) بین الاقوامی سطح پر خواتین کے سال کے طور پر منایا جا رہا ہے۔ جماعتِ اسلامی ہند نے طے کیا ہے کہ اس مناسبت سے خواتین کے بارے میں اسلام کے موقف اور مسلمان خواتین کے کارناموں کا خصوصی تعارف کرایا جائے۔ امید ہے یہ کتاب اس سلسلہ میں مفید ثابت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اسے شرفِ قبولیت سے نوازے، اس کے ذریعے دین کا بہتر تعارف ہو اور ہماری خواتین میں وہی جذبہ عمل اور وہی صلاحیتیں لوٹ آئیں، جو دورِ اول کی خواتین میں تھیں۔ آمین

جلال الدین عمری

۲۵ر فروری ۱۹۷۹

طبع جدید

یہ کتاب پہلی بار اڑتیس (۳۸) برس قبل شائع ہوئی تھی اور خواتین کے سال
ں مناسبت سے بڑے پیمانہ پر اس کی اشاعت بھی ہوئی تھی۔ اس کے بعد اس کے
ں (۱۰) ایڈیشن نکل چکے ہیں۔ اس کا انگریزی، ہندی، مراٹھی اور تلگو میں ترجمہ طبع
و چکا ہے۔ خواتین سے متعلق بعض مدارس میں یہ شاملِ نصاب بھی ہے۔ اب کی بار
ں نے اس پر کسی قدر تفصیل سے نظر ثانی کی ہے۔ اس کے مباحث کو مناسب
واب میں تقسیم کیا ہے۔ اس کے حوالے چیک کیے ہیں، جن کتب مآخذ کے جدید
یڈیشن دست یاب ہوسکے حوالے ان کے مطابق کرنے کی سعی کی ہے۔ کتاب کے
خر میں دورِ جدید میں مسلمان خواتین کی ملازمت سے متعلق ایک سوال نامہ کا جواب
ی شامل کیا گیا ہے۔ آخر میں کتابیات کی فہرست دے دی گئی ہے۔ امید ہے ان
وششوں سے کتاب کی قدر و قیمت اور افادیت میں اضافہ ہوگا۔ اب تک اس کتاب
کے طبع اول ہی کا عکس چھپتا رہا ہے۔ اب کی بار مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز (نئی دہلی)
سے زیادہ اہتمام سے شائع کر رہا ہے۔ میں برادرم ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی اور
زیزم عارف مصطفیٰ ندوی کا شکر گزار ہوں کہ انھوں نے اس کتاب کی ایک سے دو

مرتبہ پروف ریڈنگ کی، جہاں ضرورت محسوس ہوئی حوالوں کی مراجعت کی اور مآخذ اور کتابیات کے مرتب کرنے میں مدد کی۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر سے نوازے اور علم عمل میں ترقی عطا فرمائے۔

خاکسار

جلالُ الدین عمری

۲۸/اپریل ۲۰۰۹ء

اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ اس نے اس کتاب کو مقبولیت عطا کی۔ اب اس بارہواں (۱۲) ایڈیشن نظرثانی کے بعد پریس جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس حقیر کوشش کو قبول فرمائے اور روزِ آخرت اس کے بہترین اجر سے نوازے۔

خاکسار

جلالُ الدین عمری

۲۶/اکتوبر ۲۰۲۱ء

عورت کی عظمت
اور
خاندان کی تعمیر میں اس کا کردار

چھٹی صدی عیسوی میں حضرت محمد ﷺ کا اعلانِ رسالت انسانی تاریخ کا سب سے بڑا واقعہ تھا۔ اس کے نتیجہ میں فکر و نظر کی دنیا بدل گئی اور سیرت و کردار میں انقلاب آ گیا۔ انسان نے نئے ڈھنگ سے سوچنا شروع کیا اور اس کی زندگی نے نیا رخ اختیار کیا۔ اسی کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ عورت کے بارے میں اس کا پورا نقطۂ نظر اور عملی رویہ بدل گیا اور عورت اور مرد کے تعلقات نئی بنیادوں پر قائم ہوئے۔

عورت کی محکومی کے خلاف اسلام کی صدائے احتجاج

اسلام سے پہلے عورت کی تاریخ مظلومی اور محکومی کی تاریخ تھی۔ اسے کم تر اور کمتر سمجھا جاتا تھا۔ اسے سارے فساد اور خرابی کی جڑ کہا جاتا اور سانپ اور بچھو سے جس طرح بچا جاتا ہے اس طرح اس سے دور رہنے کی تلقین کی جاتی تھی۔ بازاروں میں جانوروں کی طرح اس کی خرید و فروخت ہوتی تھی۔ اس کی کوئی مستقل حیثیت نہیں تھی، بلکہ وہ مرد کے تابع تھی۔ اس کا کوئی حق نہیں تھا۔ وہ مرد کے رحم و کرم پر جیتی تھی۔ اسلام نے اس کی محکومی کے خلاف اتنے زور سے آواز بلند کی کہ ساری دنیا اس سے گونج اٹھی اور آج کسی میں یہ ہمت نہیں ہے کہ اس کی پچھلی حیثیت کو صحیح اور برحق کہہ سکے۔

اس نے پوری قوت سے کہا:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالاً كَثِيْرًا وَّ نِسَاءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِىْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ○ (النساء:۱)

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیے اور اللہ سے ڈرو جس کے ذریعے تم ایک دوسرے سے مدد طلب کرتے ہو اور رشتوں کا احترام کرو۔ بے شک اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔

یہ اس بات کا اعلان تھا کہ ایک انسان اور دوسرے انسان کے درمیان، جھوٹے امتیازات دنیا نے قائم کر رکھے ہیں وہ سب باطل ہیں۔ ان کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔ سارے انسان نفسِ واحد سے پیدا ہوئے ہیں۔ سب کی اصل ایک ہے۔ پیدائشی طور پر نہ تو کوئی شریف ہے اور نہ رذیل، نہ کوئی اونچی ذات کا ہے اور نہ نیچی ذات کا سب برابر اور مساوی حیثیت کے مالک ہیں۔ خاندان، قبیلہ، رنگ و نسل، ملک و قوم زبان اور پیشہ کی بنیاد پر ان کے درمیان کسی بھی قسم کی تفریق غلط اور ناروا ہے۔

اسلام- مساواتِ مرد و زن کا پہلا علم بردار

عورت اور مرد کے درمیان زمانۂ قدیم سے جو فرق و امتیاز چلا آ رہا تھا یہ اس کی بھی تردید ہے۔ اس میں یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ انسانِ اول کا جوڑا کسی اور نوع سے نہیں تھا، بلکہ اسی کی نوع سے تھا۔ کوئی دوسری مخلوق اس کی رفاقت کے لیے اس کے ساتھ نہیں لگادی گئی تھی، بلکہ وہ اسی سے نکالی گئی تھی۔ اس اوّلین جوڑے سے بے شمار مرد اور عورتیں پیدا ہوئے، ان کے درمیان رشتے اور تعلقات قائم ہوئے اور پوری نسلِ انسانی پھیلی، اس لیے دونوں کے درمیان فرق و امتیاز نوعِ انسانی کے ایک بازو اور دوسرے بازو کے درمیان فرق و امتیاز ہے، ایک کل کے دو اجزا کے مابین تفریق ہے

ساواتِ مرد و زن اور دونوں کی یکساں حیثیت کے اظہار کے لیے اس سے بہتر تعبیر کا سور نہیں کیا جاسکتا۔

اسی کے ساتھ فرمایا گیا کہ سارے انسان ایک خدا کے بندے اور ایک ماں پ کی اولاد ہیں، اس لیے انہیں ایک طرف تو خدا کی عبادت اور تقویٰ اختیار کرنا چاہیے ر اس سے ڈر کر زندگی گزارنی چاہیے۔ دوسری طرف، جو رشتے اور تعلقات ان کے میان ہیں ان کا احترام کرنا چاہیے۔ اس میں مرد کے احترام کے ساتھ عورت کے بھی ترام کی تاکید تھی۔

ورت اور مرد کی کام یابی ایمان و عمل سے وابستہ ہے

اسلام نے اس تصور ہی کی جڑ کاٹ دی کہ مرد اس لیے باعزت اور سربلند ہے لہ وہ مرد ہے اور عورت محض عورت ہونے کی وجہ سے فروتر اور ذلیل ہے۔ اس کے دیک عورت اور مرد دونوں برابر ہیں۔ ازلی و ابدی طور پر نہ تو کسی کے لیے برتری کا وانہ لکھ دیا گیا ہے اور نہ کسی کے حق میں کم تری کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ مرد اور عورت میں سے جو بھی ایمان اور حسنِ عمل سے آراستہ ہوگا وہ دنیا اور آخرت میں کام یاب ہوگا اور س کا دامن ان اوصاف سے خالی ہوگا وہ دونوں ہی جگہ ناکام و نامراد ہوگا۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَ لَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ○ (النحل:۹۷)

جو شخص بھی نیک عمل کرے گا، چاہے وہ مرد ہو یا عورت اگر وہ مومن ہے تو ہم (اس دنیا میں) اسے پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے اور (آخرت میں) ایسے لوگوں کو ضرور ان کے اچھے کاموں کا اجر عطا کریں گے۔

یہ اس بات کا اظہار و اعلان ہے کہ انسان کی قسمت کا فیصلہ اس کی جنس کی یاد پر نہیں، ایمان و عمل کی اساس پر ہوتا ہے۔ جس کسی کے دامن میں ایمان اور سنِ عمل کی دولت ہوگی اس دنیا میں اسے 'حیاتِ طیبہ' نصیب ہوگی۔ وہ کسی مرحلہ میں

صراطِ مستقیم سے بھٹکے گا اور نہ غلط راہ پر گام زن ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اسے رزقِ حلال عط کرے گا، مشکلات میں صبر و قناعت کی دولت سے بہرہ ور فرمائے گا۔ قیامت کے رو جنت کے دروازے اس کے لیے کھلیں گے اور وہاں کی ابدی نعمتوں کا وہ حق دار قرا پائے گا۔ یہ ایک قاعدۂ کلیہ ہے۔ اس میں مرد اور عورت کے درمیان فرق نہیں ہے۔

عورت کا میدانِ کار اس کا گھر ہے

البتہ اسلام کے نزدیک عورت اور مرد کے دائرۂ کار جدا جدا ہیں۔ عورت میدانِ عمل اصلاً اس کا گھر ہے اور گھر سے باہر کی دنیا مرد کی آماج گاہ ہے۔ چناں چ رسولِ اکرم ﷺ کی ازواجِ مطہرات کو قرآن نے ہدایت کی اور یہی ہدایت ان تما خواتین کے لیے ہے جو خدا اور رسول پر ایمان رکھتی ہیں۔

وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ (الاحزاب:۳۳) اور اپنے گھروں میں سکون سے رہو۔

یہ خواتین کو اپنے گھروں میں رہنے کا حکم ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس دائرۂ عمل گھر ہونا چاہیے۔ اس کی مصروفیات ایسی نہیں ہونی چاہئیں کہ اسے گھر ک ذمے داریوں سے کنارہ کش ہونا پڑے۔

دو اعتراضات اور ان کا جواب

اسلام کے اس موقف پر کہ عورت کا دائرۂ کار گھر اور خاندان ہے، عام طور دو اعتراضات کیے جاتے ہیں۔ ایک یہ کہ عورت پر گھر کی ذمے داری ڈالنے سے معاشی جدوجہد نہیں کر سکے گی اور اس پہلو سے معاشرہ میں اس کی حیثیت مستقل کم زر رہے گی۔

اس سلسلے میں پہلے تو یہ بات واضح ہونی چاہیے کہ اسلام نے عورت کو معاش جدوجہد سے باز نہیں رکھا ہے، البتہ اس کے لیے بعض حدود متعین کیے ہیں۔ ان حد کے اندر وہ کوئی بھی ذریعۂ معاش اختیار کر سکتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ خا

مصروفیات کی وجہ سے عورت کی معاشی جدوجہد پر اثر پڑ سکتا ہے اور وہ مرد کی طرح اپنا
ت اور توانائی اس کے لیے صرف نہیں کرسکتی۔ اس کا حل اسلام نے یہ نکالا ہے کہ وہ
رد کو قانوناً اس امر کا پابند بناتا ہے کہ وہ عورت کو معاشی ضمانت فراہم کرے اور اس کی
لفالت کا بوجھ اٹھائے۔

دوسرا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ عورت پر گھر کی ذمے داری ڈالنے سے وہ اس
ی چہار دیواری میں محصور ہوکر رہ جاتی ہے۔ زندگی کے اور گوشوں میں نہ تو اس کی
لاحیتوں سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے اور نہ وہ خود فائدہ پہنچانے کے موقف میں ہوتی ہے۔

یہ اعتراض صحیح نہیں ہے۔ اسلام کا منشا ہرگز یہ نہیں ہے کہ امور خانہ داری کے
وا سارے کام عورت کے لیے ممنوع ہیں۔ اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ وہ اصلاً گھر کی
لکہ اور منتظمہ ہے۔ اسے باہر کی دنیا کو آباد کرنے کی فکر میں اپنا گھر اجاڑ نہیں دینا
ہیے۔ اس کے اوقات کار اور توانائیوں پر باہر کی دل چسپیوں اور مشغولیتوں کا اس طرح
منہ نہ ہوجائے کہ گھر اس کے لیے محض ایک قیام گاہ اور ستانے اور تھوڑی دیر آرام
رنے کی جگہ بن کر رہ جائے۔ ہاں خانگی ذمے داریوں کو پورا کرنے کے بعد وہ
عاشی جدوجہد بھی کرسکتی ہے اور اپنے حالات، ذوق اور رجحان کے لحاظ سے زندگی
کے دوسرے میدانوں میں دل چسپی بھی لے سکتی ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ مسلمان
واتین نے اپنے فطری دائرے میں رہتے ہوئے اجتماعی زندگی کے مختلف شعبوں
ں فی الواقع دل چسپی لی اور نمایاں کارنامے انجام دیے۔

سب سے بڑی بات یہ کہ اسلام نے عورت کو سماجی اور معاشرتی لحاظ سے بڑا
نچا مقام عطا کیا ہے۔ اس کی وجہ سے وہ کسی احساس کم تری کے بغیر باوقار اور
نظمت زندگی گزارتی ہے اور مرد کے ساتھ مل کر ایک صاف ستھرے اور پاکیزہ
عاشرے کی تعمیر میں اس کی قوتیں صرف ہوتی ہیں۔

دائرۂ عمل کیوں الگ ہو؟

اب آیئے اس سوال پر غور کریں کہ اسلام نے عورت اور مرد کے دائرۂ کار ایک دوسرے سے الگ کیوں رکھے ہیں؟ اس کی دو وجہیں ہیں۔

پہلی وجہ ــــ عفت وعصمت کی حفاظت

اس کی پہلی وجہ یہ ہے کہ اس سے دونوں کی عفت وعصمت کی حفاظت ہوتی ہے۔ جب بھی دونوں ایک میدان میں کام کریں گے باعفت زندگی گزارنا ان کے لیے دشوار ہوگا۔ اگر عورت اور مرد مل جل کر درس گاہوں میں تعلیم حاصل کریں، پارکوں اور میدانوں میں کھیل کود اور تفریح میں حصہ لیں، بازاروں میں بے تکلفی اور آزادی کے ساتھ لین دین اور کاروبار کریں اور خلوت وجلوت میں بغیر کسی روک ٹوک اور پابندی کے ملتے جلتے رہیں اور پھر یہ سلسلہ دو ایک دن نہیں، بلکہ سالہا سال تک دراز ہوتا چلا جائے اور اسی میں بچپن سے لے کر جوانی اور جوانی سے لے کر بڑھاپے تک کے سارے مراحل طے ہوتے رہیں، تو ان کے جنسی جذبات کا بھڑکنا اور بے قابو ہونا یقینی ہے۔ اس کے بعد وہ جنسی بے راہ روی کا آسانی سے شکار ہوسکتے ہیں۔

موجودہ دور میں جہاں کہیں اختلاطِ مرد و زن عام ہے، وہاں اس کے بڑے بھیانک نتائج دیکھے جارہے ہیں۔ عفت وعصمت اجڑ گئی اور جنسی آوارگی وبائے عام کی طرح پھیل گئی ہے۔ اب اس کی اصلاح بھی اتنی دشوار ہوگئی ہے کہ اسے ایک ایسی سماجی برائی کی حیثیت سے تسلیم کرلیا گیا ہے، جس سے نجات کی کوئی صورت نہیں ہے اور اس کے نتائجِ بد کو بھی چارو ناچار برداشت کیا جارہا ہے۔

عفت وعصمت بظاہر ایک اخلاقی قدر ہے، لیکن اس سے پورے معاشرے کا رُخ متعین ہوتا ہے۔ جس معاشرہ میں عفت وعصمت کی کوئی اہمیت نہ ہو وہ آدمی کو ہر طرف سے کھینچ کر زنا اور بدکاری کی طرف لے جاتا ہے۔ اس سے ایک خاص قسم کا کلچر،

تہذیب، معاشرت، ادب اور اخلاق پیدا ہوتا ہے۔ اس کی ایک ایک چیز انسان کے جنسی جذبات میں آگ لگاتی اور انہیں بھڑکاتی رہتی ہے۔ اس کے برخلاف، جو معاشرہ عفت و عصمت کی قدر و قیمت اور عظمت محسوس کرے اس کی تعمیر ایک دوسرے ہی نہج پر ہوتی ہے۔ اس کے ہر عمل سے شرم و حیا اور کردار کی پاکیزگی کا اظہار ہوتا ہے اور ہر طرف تقویٰ و طہارت کی فضا چھائی رہتی ہے۔

اسلام عفت و عصمت کے معاملہ میں بڑا حسّاس واقع ہوا ہے۔ اس نے عورت اور مرد کے آزادانہ میل جول اور اختلاط کو سختی سے منع کیا ہے۔ وہ اس بات کو غلط سمجھتا ہے کہ اجنبی عورت اور مرد ایک ساتھ مل کر رہیں یا کام کریں اور خود کو ایسی آزمائش میں ڈال دیں کہ اس سے نکلنا ان کے لیے مشکل ہوجائے۔ اس نے زنا اور بدکاری کے ارتکاب ہی سے نہیں، بلکہ اس کے قریب جانے سے بھی منع کیا ہے۔ فرمایا:

وَلاَ تَقْرَبُوا الزِّنَا اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَ سَآءَ سَبِيْلاً ○ (بنی اسرائیل:۳۲)

زنا کے قریب مت پھٹکو۔ اس لیے کہ وہ بے حیائی کا کام ہے اور بہت ہی برا راستہ ہے۔

دوسری وجہ ـــــ صلاحیتوں کا فرق

عورت اور مرد کے لیے دو الگ میدانِ کار تجویز کرنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ دونوں کی قوتیں اور صلاحیتیں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ عورت جسمانی طور پر مرد سے کم زور ہے، وہ زیادہ محنت و مشقت برداشت نہیں کرسکتی۔ اس کے ساتھ ایسے عوارض بھی لگے ہوئے ہیں، جو اسے مسلسل اور سخت محنت سے دور رکھتے ہیں۔ اس کی جوانی کا آغاز ہی ماہ واری سے ہوتا ہے اور جب تک وہ بڑھاپے کی حدود میں داخل نہ ہوجائے یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ اس کے علاوہ اسے حمل و رضاعت کے سخت اور جاں گسل مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ یہ ساری کیفیات اس کی صحت، قوتِ کار اور مزاج پر اثر انداز ہوتی ہیں اور لگاتار جدوجہد اور محنت کی راہ میں مانع

ہیں۔ اس لیے فطرت کا تقاضا اور عدل و انصاف سے قریب تر بات یہی ہے کہ عورت پر اس سے کم بوجھ ڈالا جائے جتنا بوجھ مرد پر ڈالا جاتا ہے۔ محنت و مشقت کے کام مرد کے سپرد کیے جائیں اور عورت کو ان کاموں میں لگایا جائے، جو زیادہ محنت طلب نہیں ہیں۔ اسلام نے اس کا حل یہ نکالا ہے کہ عورت گھر سنبھالے اور مرد باہر کی خدمات انجام دے۔

عورت کا مزاج، رجحان اور نفسیات بھی اسی کا تقاضا کرتے ہیں۔ عورت کے اندر محبت، دل داری، ہم دردی و غم خواری، ایثار و قربانی، صبر و تحمل، حلم و بردباری اور خدمت کے جذبات مرد سے زیادہ ہیں، ان کی وجہ سے وہ اپنے ماحول کو مسرت اور خوشی، راحت اور سکون اور دل جوئی اور محبت سے بھر سکتی ہے۔ لیکن زندگی کے شدائد اور مشکلات کا سامنا کرنے اور ہر طرح کے نشیب و فراز میں ثابت قدمی کے ساتھ آگے بڑھنے کے لیے ضروری ہے کہ آدمی میں جفاکشی، عزم و ہمت، پامردی اور شجاعت جیسی صفات پائی جائیں۔ یہ صفات مرد میں زیادہ ہیں۔ گھر اور خاندان نسبتاً پرسکون ماحول فراہم کرتے ہیں۔ اس میں عورت کی خوبیاں زیادہ نکھر کر سامنے آسکتی ہیں اور ان سے زیادہ فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ زندگی کے پیچیدہ اور دشوار مسائل کا سامنا مرد کرسکتا ہے۔ اس لیے فطری طور پر اسی کو ان سے عہدہ برآ ہونا بھی چاہیے۔

گھر چھوڑنے میں عورت کا نقصان ہے

عورت کی یہ ہرگز خیر خواہی نہیں ہے کہ اسے اس کے فطری دائرۂ کار سے نکال کر غیر فطری دائرے میں پہنچا دیا جائے۔ اس میں اس کا کوئی فائدہ نہیں بلکہ سراسر نقصان ہے۔

سب سے پہلی بات تو یہ کہ عورت جب تک عورت ہے وہ ماں بننے، حمل رضاعت کی تکلیفیں برداشت کرنے اور حیض ونفاس کی کیفیات سے گزرنے پر مجبور ہے۔ ان مشکلات اور پیچیدگیوں میں مرد اس کا ساتھ بالکل نہیں دیتا۔ اس کے ساتھ م

کی ذمے داریاں بھی اس پر ڈال دینا بہت بڑی ناانصافی ہے۔

دوسری بات یہ کہ عورت گھر کی ملکہ ہے، وہاں اسے باپ، بھائی، شوہر، اولاد اور خاندان والوں کی محبت بھی حاصل ہوتی ہے اور اس کے حقوق و اختیارات بھی محفوظ ہوتے ہیں۔ عورت اگر گھر کی ذمے داری نہ اٹھائے تو وہ ان حقوق کا دعویٰ نہیں کرسکتی۔ ان کے بعد اسے زندگی گزارنے کے لیے ایک ایسے میدان میں کام کرنا ہوگا، جو حقیقت میں اس کا میدان نہیں ہے اور جہاں اسے اپنے سے زیادہ طاقت ور حریف سے قدم قدم پر مقابلہ کرنا پڑے گا۔ اس میں اس کی توقع کم ہی کی جاسکتی ہے کہ وہ مرد سے آگے نکل سکے گی۔

گھر کی بنیادی اہمیت ہے

عورت کے لیے عزت و شرف کا مقام اس کا گھر ہے، بازار نہیں ہے۔ لیکن موجودہ دور میں گھر اور خاندان کی اہمیت پوری طرح محسوس نہیں کی جاتی، اس لیے جب سے عورت کا دائرۂ کار کہا جاتا ہے تو یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس کے ساتھ ناانصافی ہو رہی ہے، اس کے لیے معاشرہ کا بہت ہی حقیر اور ذلیل کام تجویز کیا جا رہا ہے، اسے وہ حق نہیں دیا جارہا ہے، جو فی الواقع اسے ملنا چاہیے، اس طرح اسے مستقل نچلی سطح پر رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ حالاں کہ خاندان کسی بھی سوسائٹی کی بنیاد ہے۔ گھر کی اہمیت بازار اور اور دفتر سے کم نہیں ہے۔ عورت گھر کی تعمیر کی، جو خدمت انجام دیتی ہے وہ ان بہت سے کاموں سے زیادہ اہم ہے، جو وہ گھر سے باہر انجام دیتی یا دے سکتی ہے۔ یہاں اس کے بعض پہلوؤں کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے۔

گھر میں عورت کی خدمات

۱- انسان بے شمار سیاسی، سماجی اور تہذیبی مسائل میں الجھا رہتا ہے۔ اس کے ساتھ صحت، مرض، خوش حالی، بدحالی، تکلیف اور آسائش بھی لگی ہوئی ہے۔ بسا اوقات

معاش کے لیے اسے سخت جدوجہد اور محنت کرنی پڑتی ہے، اپنی اور اپنے خاندان کی فلاح و بہبود اور ترقی کے لیے بڑی دشواریوں کا سامنا بھی اسے کرنا پڑ سکتا ہے۔ ان حالات میں اسے سب سے زیادہ ضرورت ذہنی سکون اور اطمینان کی ہے۔ گھر یہی سکون اور راحت فراہم کرتا ہے۔ اگر گھر بھی اسے سکون نہ فراہم کرے تو اس کے لیے جہ دوبھر ہوجائے۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ عورت گھر کو راحت کدہ اور سکون کا مرک بنائے، تاکہ یہاں پہنچ کر مرد اپنی ساری کلفتیں اور پریشانیاں بھول جائے، اور تازہ د ہوکر کشمکشِ حیات میں اپنا حصہ ادا کرے۔

۲- یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ بچہ کے لیے ماں کے دودھ سے بہت کوئی دوسری غذا نہیں ہے۔ اگر ماں گھر پر نہ رہے اور باہر کی مصروفیات اسے دن بھ گھیرے رہیں تو وہ اس کا اہتمام نہیں کرسکتی۔ اسی طرح شیر خوارگی کی عمر میں بھی اور اس کے بعد بھی عرصہ تک بچہ کی صحیح پرورش ماں ہی کے ہاتھوں میں ہوسکتی ہے۔ بچہ کی تر نشو ونما کے لیے صرف اتنی بات کافی نہیں ہے کہ اسے مناسب اور متوازن غذا ملتی رہے بلکہ اس کے لیے محبت، ہم دردی اور مامتا بھی ضروری ہے۔ اگر اسے اپنے قریب تریں ماحول میں یہ جذبات نہ ملیں تو اس کی شخصیت مرجھا کر رہ جائے گی اور ابھرے گی بالکل غلط رُخ پر ابھرے گی۔ ان جذبات کا مخزن ماں ہی کا سینہ ہے۔ کوئی بھی دوسرا فر اس کا بدل نہیں بن سکتا۔ جب ماں دن بھر گھر سے باہر رہے گی تو بچہ ان جذبات کے لیے تڑپتا رہے گا اور وہ اسے نہ مل سکیں گے۔

۳- بچہ کی ابتدائی تعلیم و تربیت کے لیے بھی ماں سب سے زیادہ موزوں ہے۔ اس لیے کہ بچہ کی صحیح تعلیم اسی وقت ہوسکتی ہے جب کہ استاد بے حد شفیق او مہربان ہو، اس کی نفسیات اور مزاج سے واقف ہو، اس کی شرارتوں کو برداشت کرے او صبر و تحمل سے ان کی اصلاح کرے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ بچہ خود بھی اس سے محبت کرے، اس کی تلخ باتوں کو بھی خلوص اور خیر خواہی پر محمول کرے اور اس کی سختی بھی

ں کے لیے گوارا ہو۔ یہ جذبات ماں اور بچہ کے درمیان جیسے ہوتے ہیں کسی بھی وسرے دو شخصوں کے درمیان نہیں ہوتے اور نہ اس کی ان سے توقع کی جاسکتی ہے۔

ایک اور پہلو سے دیکھیے۔ تعلیمی نقطۂ نظر سے یہ بات بہت اہم ہے کہ استاذ ر شاگرد کے درمیان براہِ راست تعلق ہو۔ یہ تعلق جتنا قوی ہوگا بچہ اتنا ہی استفادہ بھی کرسکے گا۔ اسی وجہ سے اسکول میں بھی بڑی کلاسیں زیادہ کار آمد نہیں سمجھی جاتیں، یوں کہ اس میں طالب علم اور استاذ کا تعلق کم زور ہوتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں چھوٹی لاسیں پسندیدہ سمجھی جاتی ہیں، اس لیے کہ اس میں یہ تعلق بڑھتا ہے۔ اس پہلو سے یک ماں اپنے چند بچوں کو جس طرح تعلیم دے سکتی ہے اس طرح ان کی تعلیم اسکول ں نہیں ہوسکتی۔

بہت سے بچوں کی تعلیم اس لیے بھی اچھی نہیں ہوتی کہ گھر پر ان کو بہتر ٹیوٹر ہیں ملتا یا ان کے والدین ٹیوٹر رکھنے کے موقف میں نہیں ہوتے۔ لڑکیوں کو ٹیوٹر کے ریعے پڑھانے میں قباحت بھی محسوس ہوتی ہے۔ اگر ماں اس قابل ہو کہ گھر پر بچوں کو علیم دے سکے اور اسے اپنی ذمے داری بھی محسوس کرے تو تعلیم پر ہونے والے خراجات بھی کم ہوسکتے ہیں اور بہت سی قباحتوں سے بچا بھی جاسکتا ہے۔

یہاں ایک ضمنی لیکن ایک مسلمان کے نقطۂ نظر سے اہم بات یہ ہے کہ آج کل ینی تعلیم کا رجحان کم ہے۔ چند ہی بچے دینی تعلیم حاصل کر پاتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ بچہ جب اسکول جانے کی عمر کو پہنچتا ہے تو اسکول بھیج دیا جاتا ہے۔ پھر اسے دین کی موٹی موٹی باتیں جاننے اور سیکھنے کا بھی موقع نہیں ملتا۔ چناں چہ بہت سے نیک اور خدا ترس لوگوں کے بچے بھی دین کی ابتدائی باتوں سے ناواقف رہتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ باپ کو گھر پر انہیں تعلیم دینے کی فرصت نہیں ہوتی اور ماں یا تو جاہل ہوتی ہے اس میں اس کا ذوق نہیں ہوتا۔ اگر ماں اس قابل ہو اور اسے اس کی فکر ہو تو اسکولوں ں تعلیم پانے کے باوجود بچہ دین سے بے خبر نہیں رہ سکتا۔

تربیت کے نقطۂ نظر سے بھی ماں کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ بچہ کے لیے اصل نمونہ اس کی ماں ہوتی ہے۔ وہ اس کے اخلاق و عادات کا شب و روز مشاہدہ کرتا رہتا ہے اور اس کے رویے کو دیکھ کر اپنا رویہ متعین کرتا ہے۔ گھر والوں سے اس کی ماں کے اچھے یا برے جس طرح کے تعلقات ہوتے ہیں اسی طرح کے تعلقات وہ دوسروں سے قائم کرتا ہے۔ اس معاملہ میں ماں اس کی حقیقی معلّم ہوتی ہے اور اس کی سیرت اور اخلاق کا رُخ متعین کرتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ گھر کی تعمیر کے بغیر معاشرہ کی تعمیر نہیں ہوسکتی۔ اسی وجہ سے اسلام نے عورت کو اس کی تعمیر کے لیے بالکل فارغ کر دیا ہے۔ وہ اس کے ساتھ کوئی دوسرا بوجھ اس پر ڈالنا نہیں چاہتا۔ حتّٰی کہ معاش کی ذمے داریوں سے بھی اسے سبک دوش کر رکھا ہے۔ اس کے نزدیک گھر کی تعمیر جہاد سے کم اہم نہیں ہے۔ حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ کچھ عورتوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ مرد تو فضیلت والے اعمال اور جہاد کا ثواب حاصل کرتے ہیں، ہم کیا کریں کہ ہمیں بھی وہ ثواب ملے، جو راہِ خدا میں جہاد کرنے والوں کو ملتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ''تم میں سے جو عورت گھر میں بیٹھی رہے گی وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں کا ثواب پائے گی۔''[1]

---

[1] ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم: ۶/ ۴۳۰۔ اس روایت کی سند پر جرح کی گئی ہے۔

مسلمان عورت

(گھر اور خاندان میں)

خاندان سماج کا اوّلین ادارہ ہے۔ اس کی صحیح تعمیر پر پورے سماج کی بہتر تعمیر کا دھار ہے۔ اسلام نے بنیادی طور پر اس کی ذمے داری عورت پر ڈالی ہے، لیکن اس کی جہ سے اس کی قانونی اور اخلاقی حیثیت کسی طرح مجروح نہیں ہونے دی۔ وہ ایک لرف تو اس کے تمام حقوق کی از روئے قانون ضمانت فراہم کرتا ہے اور دوسری طرف س نے پورے معاشرے کو اس کے ساتھ بہتر سے بہتر سلوک کا حکم دیا ہے۔ اسلام ایسی ضا پیدا کرتا ہے کہ عورت، جس حیثیت میں بھی رہے عزت و احترام کے ساتھ رہے۔ ب تک یہ فضا باقی ہے اس کے اعزاز و اکرام میں کوئی فرق نہیں آسکتا۔ اسلامی عاشرے میں اسے پورے قانونی حقوق بھی حاصل ہوں گے۔ اور سماجی حیثیت سے بھی س کا درجہ بہت بلند ہوگا۔

گھر اور خاندان میں عورت کی تین نمایاں حیثیتیں ہیں: ماں، بیوی اور بیٹی۔ س کی ایک حیثیت بہن کی بھی ہے۔ اسلام نے ان تمام حیثیتوں سے اسے اتنا برتر اور ونچا مقام عطا کیا ہے کہ اسلام کے حدود میں رہتے ہوئے کوئی اس سے اس کا یہ قامِ رفیع چھین نہیں سکتا۔

ماں کا احترام

اسلام میں خدا اور اس کے رسول کے بعد سب سے اونچا درجہ ماں کا ہے۔ اس نے ماں اور باپ دونوں کے ساتھ حسنِ سلوک کی تاکید کی ہے اور ان کی اطاعت کا حکم دیا ہے، اس لیے کہ انسان پر دونوں ہی کے احسانات ہیں، لیکن قرآن و حدیث میں ماں کے احسانات کو نمایاں کیا گیا ہے۔ چناں چہ ایک جگہ ارشاد ہے:

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ وَّ فِصٰلُهُ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْلِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ؕ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ○

(لقمان:۱۴)

ہم نے انسان کو تاکید کی کہ وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔ اس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھا کر اسے اپنے پیٹ میں رکھا اور دو سال میں اس کا دودھ چھوٹا۔ ہم نے حکم دیا کہ میرا شکر ادا کر اور اپنے والدین کا بھی شکر بجا لا۔ میری ہی طرف تجھے پلٹنا ہے۔

دوسری جگہ فرمایا:

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسٰنًا ؕ حَمَلَتْهُ أُمُّهٗ كُرْهًا وَّ وَضَعَتْهُ كُرْهًا ؕ وَ حَمْلُهٗ وَ فِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ؕ

(الاحقاف:۱۵)

ہم نے انسان کو وصیت کی کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرے۔ اس کی ماں نے تکلیف اٹھا کر اسے پیٹ میں رکھا اور تکلیف اٹھا کر اسے جنا۔ اس کے حمل اور دودھ چھڑانے میں تیس مہینے لگ گئے۔

بچہ کی نگہ داشت، پرورش، خدمت اور تعلیم و تربیت وغیرہ میں باپ کے ساتھ ماں بھی شریک ہوتی ہے، لیکن حمل، وضعِ حمل اور رضاعت کی تکلیف تنہا ماں برداشت کرتی ہے۔ نو ماہ تک حمل کا بوجھ اٹھانا، موت و حیات کی کش مکش سے گزر کر بچہ کو جنم دینا اور پھر اپنے خون کو دودھ بنا کر بچہ کو پلانا اور اس پورے عرصہ میں سخت احتیاط کی زندگی گزارنا آسان نہیں ہے۔ اس صعوبت کے برداشت کرنے میں باپ اس کا شریک

ں ہوتا۔ اس لیے اس کا احسان بھی باپ سے زیادہ ہے۔

احادیث میں ماں باپ کی خدمت، اطاعت اور ان سے حسنِ سلوک کی طرف لف پہلوؤں سے توجہ دلائی گئی ہے۔ یہاں بعض وہ حدیثیں پیش کی جا رہی ہیں، جن ں ماں کے ساتھ حسنِ سلوک کی طرف متعدد پہلوؤں سے توجہ دلائی گئی ہے۔

۱- رسول اللہ ﷺ نے باپ سے حسنِ سلوک کی جس قدر تاکید فرمائی ہے ں سے حسن سلوک پر اس سے زیادہ زور دیا ہے۔ آپ کا ارشاد ہے:

أُوصِي إِمْرأً بأمِّهِ أُوصِيْ امرأً بِأمِّهِ أُوصِيْ امرأً بِأمِّهِ أُوصِيْ امرأً بِأَبِيْهِ [1]

میں آدمی کو اس کی ماں کے بارے میں تاکید کرتا ہوں، میں آدمی کو اس کی ماں کے بارے میں تاکید کرتا ہوں، میں آدمی کو اس کی ماں کے بارے میں تاکید کرتا ہوں۔ میں آدمی کو اس کے باپ کے بارے میں تاکید کرتا ہوں۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ! مَنْ اَعْظَمُ النَّاسِ حقًا على المرأةِ قَال زوجُهَا قُلْتُ مَن اعظَمُ النَّاسِ حقًا عَلَى الرَّجُلِ قَالَ أُمُّهَا [2]

میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول (ﷺ) عورت پر سب سے زیادہ حق کس کا ہے؟ آپ نے فرمایا اس کے شوہر کا۔ میں نے پوچھا مرد پر سب سے بڑا حق کس کا ہے؟ آپؐ نے فرمایا اس کی ماں کا۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ باپ کے مقابلہ میں ماں کم زور ہے، اس لیے ول اللہ ﷺ نے اس کے ساتھ حسن سلوک کی زیادہ تاکید فرمائی ہے۔ ہوسکتا ہے یہ ت بھی ہو، لیکن اصل وجہ یہ ہے کہ ماں کے احسانات باپ سے زیادہ ہیں اور وہ

---

[1] ابن ماجہ، کتاب الادب، باب بر الوالدین۔ حاکم، المستدرک علی الصحیحین، کتاب البر والصلۃ، یث نمبر ۷۲۴۳

[2] حاکم، المستدرک علی الصحیحین، کتاب البر والصلۃ، حدیث ۷۲۴۴

فی الواقع اس کی مستحق ہے کہ اس کی طرف زیادہ توجہ کی جائے۔

۲- قرآن وحدیث سے واضح ہے کہ 'کبائر' یعنی بڑے گناہوں میں سب سے بڑا گناہ اللہ کے ساتھ شرک ہے۔ اس کے بعد بہت سی احادیث میں ماں باپ کی نافرمانی کا ذکر ہے[1] اس سے اس کی شناعت واضح ہوتی ہے۔

اس کے ساتھ ماں کی نافرمانی سے بچنے کی الگ سے بھی تاکید کی گئی ہے اسے حرام قرار دیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَیْکُمْ عُقُوقَ الْاُمَّھَاتِ ... وَوَأْدَ الْبَنَاتِ[2]

اللہ نے تم پر حرام ٹھہرائی ہے ماؤں کی نافرمانی ....اور لڑکیوں کو زندہ دفن کرنا۔

رسول اللہ ﷺ نے دس معصیتوں کا ذکر فرمایا اور کہا کہ جب میری اُمت ان کا ارتکاب کرنے لگے گی تو اس پر مصیبتوں اور عذاب کا نزول شروع ہوجائے گا۔ ان میں سے ایک یہ ہے۔

اَطَاعَ الرَّجُلُ زَوْجَتَهٗ وَ عَقَّ اُمَّهٗ وَ بَرَّ صَدِیقَهٗ وَ جَفَا اَبَاهُ

آدمی اپنی بیوی کی بات مانے گا اور ماں کی نافرمانی کرے گا، دوست کے ساتھ اچھا رویہ اختیار کرے گا اور باپ کے ساتھ اس کا رویہ سخت ہوگا۔

ایک روایت میں والدین کی نافرمانی کو علامات قیامت میں سے ایک علامت قرار دیا گیا ہے[3] (جب کہ ہر طرف شر ہی شر پھیل جائے گا)۔

۳- ماں کے ساتھ حسنِ سلوک کو گناہوں کی مغفرت اور حصولِ جنت کا ذریعہ بتایا گیا ہے۔

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ حارثہ بن نعمانؓ اپنی والدہ کے ساتھ سب سے اچھا سلوک کرتے تھے۔ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے خواب میں جنت

---

[1] بخاری، کتاب الادب، باب عقوق الوالدین من الکبائر۔ مسلم کتاب الایمان، باب الکبائر واکبرہا۔

[2] بخاری، کتاب الادب، باب عقوق الوالدین۔ مسلم، کتاب الاقضیۃ، باب النہی عن کثرۃ المسائل

[3] ترمذی، ابواب الفتن، باب ماجاء فی اشراط الساعۃ

ارہ دیکھا، وہاں میں نے کسی کے قرآن پڑھنے کی آواز سنی۔ میں نے پوچھا: یہ کس کی واز ہے؟ بتایا گیا: یہ حارثہ بن نعمان کی آواز ہے۔ اس کے بعد آپ نے صحابہؓ سے مایا: یہ ہے ماں کے ساتھ حسنِ سلوک کا ثواب، یہ ہے ماں کے ساتھ حسنِ سلوک کا اب[1]

حضرت عبد اللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے رض کیا: مجھ سے ایک بڑا گناہ سرزد ہوگیا ہے۔کیا اس سے توبہ کی کوئی شکل ہے؟ آپؐ نے اس سے پوچھا: کیا تمہاری ماں ہے؟ اس نے عرض کیا: نہیں۔ آپ نے دریافت مایا: کیا تمہاری خالہ ہے؟ اس نے کہا: ہاں! آپ نے فرمایا: اس کے ساتھ حسنِ سلوک رو[2]

اس کا مطلب یہ ہے کہ ماں ہی کی خدمت نہیں، اس کے عزیزوں اور رشتہ داروں ی خدمت بھی گناہوں کا کفارہ اور مغفرت کا سبب بن جاتی ہے۔

۴- ماں کی خدمت باپ کی خدمت سے بھی مقدم ہے۔ ماں کے بعد ہی سی دوسرے شخص کا مقام ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے ول اللہ ﷺ سے سوال کیا: من احق بحسن صحابتی ''میرے حسنِ سلوک کا ب سے زیادہ مستحق کون ہے؟'' آپؐ نے فرمایا: تمہاری ماں۔ اس نے پوچھا: اس کے د کون؟ آپؐ نے فرمایا: تمہاری ماں! اس نے تیسری مرتبہ پوچھا: اس کے بعد کون؟ پ نے اس مرتبہ بھی اسے یہی جواب دیا: تمہاری ماں! چوتھی مرتبہ جب اس نے یہی وال کیا تو آپ نے فرمایا: تمہارا باپ[3]

مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الآداب، کتاب فی البر والصلۃ بحوالہ شرح السنہ و بیہقی۔ و رواہ الحاکم المستدرک، کتاب البر والصلۃ، حدیث نمبر ۷۲۴۷

ترمذی، ابواب البر والصلۃ، باب ما جاء فی برّ الخالۃ۔ حاکم، المستدرک، کتاب البر والصلۃ دیث نمبر ۷۲۶۱

بخاری، کتاب الادب، باب من احق الناس بحسن الصحبۃ۔مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب بر الوالدین۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک صحابی نے آپ سے سوال کیا کہ حسنِ سلوک کا سب سے زیادہ حق دار کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا: تمہاری ماں۔ اس نے سوال کیا: پھر کون؟ آپ نے فرمایا: تمہاری ماں۔ اس نے سہ بارہ یہی سوال کیا۔ آپ نے اس مرتبہ بھی یہی جواب دیا۔ چوتھی بار جب اس نے یہی سوال کیا تو آپؐ نے فرمایا: تمہارا باپ اس کے بعد رشتہ میں، جو تم سے جتنا قریب ہو اتنا ہی وہ حسنِ سلوک کا مستحق ہوگا۔[۱]

قاضی عیاضؒ کہتے ہیں: بعض لوگوں نے کہا ہے کہ ماں اور باپ دونوں حسنِ سلوک کا برابر استحقاق رکھتے ہیں، لیکن جمہور کے نزدیک ماں کا حق زیادہ ہے۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں: ''یہی رائے صحیح ہے، اس لیے کہ صریح احادیث اس کی تائید کرتی ہیں۔ حارث محاسبی کہتے ہیں: ''اس پر اجماع ہو چکا ہے کہ حسن سلوک کے معاملہ میں ماں کا حق باپ سے زیادہ ہے۔''[۲]

ماں کے ساتھ حسنِ سلوک دو گنا ہونا چاہیے یا تین گنا۔ اس بارے میں مختلف روایات آتی ہیں۔ امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ اس سلسلے میں وہ روایات زیادہ قوی ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ انسان کو باپ کے ساتھ جتنا سلوک کرنا چاہیے اس سے تین گنا زیادہ ماں کے ساتھ کرنا چاہیے۔[۳]

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ باپ کی اطاعت ہوگی اور حکم مانا جائے گا، لیکن جہاں تک حسنِ سلوک کا تعلق ہے چار حصوں میں سے تین ماں کے ہوں گے۔[۴]

اسلام نے ماں باپ کے قانونی حقوق ادا کرنے ہی پر زور نہیں دیا، بلکہ ان کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید فرمائی ہے۔ اس میں جہاں یہ بات داخل ہے کہ ان کے قانونی حقوق خوش دلی اور محبت کے ساتھ ادا کیے جائیں اور اسے بوجھ نہ سمجھا جائے

---

۱ ابو داؤد، کتاب الادب، باب بر الوالدین۔ ترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی بر الوالدین۔

۲ نووی، شرح مسلم: جلد ۸ جزء ۱۶، ص ۸۳

۳ تفصیل کے لیے دیکھی جائے طحاوی، مشکل الآثار: ۲/ ۲۷۰-۲۷۳

۴ ابن قیم، اعلام الموقعین: ۴/ ۲۷۳

یں اس میں یہ بات بھی آتی ہے کہ قانونی حدود سے آگے بڑھ کر ان کے ساتھ وہ بہتر سے بہتر سلوک کیا جائے، جو انسان کے بس میں ہے۔ اس میں بھی ماں کا حق مقدم ہے۔ باپ کے ساتھ، جو رویہ اختیار کیا جاتا ہے اس سے اعلیٰ رویہ ماں کے ساتھ اختیار یا جانا چاہیے۔

وی کے حقوق

اسلام کے نزدیک عورت کا مستقل وجود ہے۔ نکاح کی وجہ سے نہ تو اس کی صیت شوہر کی شخصیت میں گم ہوجاتی ہے اور نہ وہ اس کی محکوم اور غلام ہوتی ہے۔ ادی کے بعد جہاں وہ کچھ نئی ذمے داریاں سنبھالتی ہے، وہیں بعض نئے حقوق کی ک بھی ہوتی ہے۔ وہ جس طرح ان ذمے داریوں سے انکار نہیں کرسکتی، اسی طرح اس ے حقوق بھی اس سے نہیں چھینے جاسکتے۔

آیئے یہ دیکھیں کہ اسلام میاں بیوی کے تعلقات کو کس نقطۂ نظر سے دیکھتا ہے ان کے لیے کیا اخلاقی اور قانونی بنیادیں فراہم کرتا ہے۔

۱- میاں بیوی کا تعلق اصلاً اُلفت و محبت کا تعلق ہے۔ عورت اور مرد کے یان اللہ تعالیٰ نے فطری طور پر جو محبت، کشش اور جاذبیت رکھ دی ہے قرآن مجید نے ایک جگہ اس کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَ جَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّ رَحْمَةً ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ○

(الروم:۲۱)

اس کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے جوڑے بنائے تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کردی۔ یقیناً اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور وفکر کرتے ہیں۔

اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ میاں بیوی کے درمیان اُلفت و محبت

اور ہم دردی وغم خواری کا تعلق ہونا چاہیے۔ یہی ان کی فطرت کا تقاضا ہے۔ اگر محبت کی جگہ نفرت و عداوت نے لے لی ہے تو یہ اس فطرت کے خلاف ہے، جس پر اللہ تعا نے انہیں پیدا کیا ہے۔

۲- ہر چھوٹے بڑے ادارے کا ایک سربراہ ہوتا ہے، جو اسے چلاتا ہے خاندان کے تعلقات اور اس کے مسائل دوسرے بہت سے اداروں اور ان کے مسائ سے زیادہ پیچیدہ اور متنوع ہیں۔ کسی سربراہ کے بغیر اس کا نظم باقی رہ ہی نہیں سکتا۔ جب اس کا کوئی سردھرا اور ذمہ دار نہ ہوگا تو لازماً اس کا شیرازہ بکھر جائے گا۔ اسلام کے نزدیک مختلف اسباب کی بنا پر مرد کو خاندان کے سربراہ کی حیثیت حاصل ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مرد کو اس کی بیوی پر بے قید اور مطلق اقتدار دے دیا گیا ہے بیوی اس کی محکوم محض ہے، بلکہ عورت پر جہاں یہ ذمے داری عائد ہوتی ہے کہ وہ مر اپنا بڑا مان کر جائز مطالبات میں اس کی اطاعت کرے اور گھر کے نظم کو ٹھیک رکھے وہیں وہ اپنے حقوق بھی رکھتی ہے۔ ان حقوق کی ادائیگی مرد کے لیے لازم ہے۔ چناں قرآن مجید میں ہے:

اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّ بِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ

(النسآء: ۳۴)

مرد عورتوں کے سرپرست اور نگراں ہیں۔ اس وجہ سے کہ اللہ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس وجہ سے بھی کہ مرد اپنے مال خرچ کرتے ہیں۔ پس جو نیک بیویاں ہیں وہ اطاعت کرنے والی اور مردوں کے پیچھے ان کی چیزوں کی حفاظت کرنے والی ہیں جیسے کہ اللہ نے حفاظت فرمائی ہے۔

خاندانی زندگی میں مرد کی برتری کو تسلیم کرکے عورت نان نفقہ، رہائش، حفاظت و صیانت اور تعلیم و تربیت جیسے بہت سے حقوق سے بہرہ مند ہوتی ہے۔ حقوق کی ادائی میں مرد کوتاہی کرے تو ازروئے قانون وہ انہیں حاصل کرسکتی ہے۔

۳- اسلام نے اس کی ترغیب دی ہے کہ مرد اپنی بیوی کے قانونی حقوق ہی ادا کرے، بلکہ اس سے آگے بڑھ کر اس کے ساتھ اچھے سے اچھا سلوک کرے۔ ی کے ساتھ حسنِ سلوک ہر حال میں مطلوب ہے۔ بعض اوقات بیوی کی شکل و رت، مزاج اور عادات آدمی کو ناپسند ہوتے ہیں۔ اس کا اثر بالعموم ان کے تعلقات پر ا ہے۔ اس طرح کے مواقع پر آدمی کو بیوی کے اچھے پہلوؤں کو دیکھنا چاہیے۔ اس کی ۔ بات ناپسندیدہ ہو تو دس باتیں قابلِ تعریف ہوسکتی ہیں۔ اس لیے شرافت و اخلاق کا نہیں حکمت و دانائی کا بھی تقاضا ہے کہ آدمی گھر کے وسیع مفادات کو سامنے رکھے تعلقات کو خراب نہ ہونے دے۔ آدمی کو ایک چیز ناگوار ہوتی ہے، لیکن اس میں خیر ، بے شمار پہلو پوشیدہ ہوتے ہیں۔ اس معاملہ میں اسلام نے جس اعلیٰ اور مثالی رویہ کی ین کی ہے وہ دنیا میں شاید کسی اور جگہ نہیں ملے گی۔ ارشاد ہے:

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ۝ (النساء:۱۹)

ان کے ساتھ بھلے طریقہ سے زندگی بسر کرو۔ اگر تم ان کو ناپسند کرتے ہو تو ہوسکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں ناپسند ہو اور اللہ نے اسی میں بہت سی بھلائی رکھ دی ہو۔

بیوی کے ساتھ جو سلوک ہونا چاہیے اس کی بہترین تشریح رسول اللہ ﷺ کے ادات میں ملتی ہے۔ حضرت معاویہ قشیریؓ نے آپؐ سے بیوی کے حقوق پوچھے تو فرمایا:

أَنْ تُطْعِمَهَا إِذَا طَعِمْتَ وَ كْسُوْهَا إِذَا اكْتَسَيْتَ وَلاَ تَضْرِبْ لْوَجْهَ وَلاَ تُقَبِّحْ وَلاَ تَهْجُرْ إِلاَّ فِي لْبَيْتِ[1]

جب تم کھاؤ تو اسے بھی کھلاؤ، جب تم پہنو تو اسے بھی پہناؤ، (غصہ سے بے قابو ہوکر) اس کے منہ پر مت مارو اور اس کو برا بھلا مت کہو۔ (اس سے کنارہ کشی ضروری ہوجائے) تو گھر سے مت نکال دو بلکہ گھر ہی کے اندر اس سے علیحدہ رہو۔

یہ حدیث ان الفاظ میں بھی مروی ہے:

---

[1] بو داؤد، کتاب النکاح، باب فی حق المرأۃ علی زوجھا۔

اَطْعِمُوْهُنَّ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ وَ اكْسُوْهُنَّ مِمَّا تَكْسُوْنَ وَلاَ تَضْرِبُوْهُنَّ وَلاَ تُقَبِّحُوْهُنَّ[1]

تم جو کھاؤ وہی ان کو کھلاؤ، جو پہنو وہی ان کو پہناؤ، ان کو مارو نہیں اور نہ برا بھلا کہو۔

اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک یہ کہ کھانے پینے اور پہننے اوڑھنے میں انسان کا، جو معیار ہو وہی اس کی بیوی کا بھی ہونا چاہیے۔ خود اعلیٰ معیار کے ساتھ اور اسے کم تر معیار کی زندگی گزارنے پر مجبور کرنا صحیح نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ اس کے ساتھ میل جول اور تعلقات میں شریفوں کا سا برتاؤ ہونا چاہیے۔ جہالت اور بربریت کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے۔

عورت کی کوئی بات ناگوار گزرے تو رسول اللہ ﷺ نے نصیحت فرمائی ہے کہ صبر و تحمل سے کام لیا جائے۔ اس لیے کہ یہ ناگواری بالعموم وقتی اور عارضی ہوتی ہے۔ کی کوئی حرکت ناگوارِ خاطر ہوتی ہے تو کوئی ادا دل کو خوش کرنے والی بھی ہوتی ہے۔ بات بات پر غم و غصہ اور نفرت کا اظہار باہمی تعلقات کو ہمیشہ کے لیے خراب کر ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لاَ يَفْرُكْ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً اِنْ كَرِهَ مِنْهَا خُلُقًا رَضِيَ مِنْهَا اٰخَرَ[2]

کوئی مومن کسی مومنہ (بیوی) سے نفرت کرے۔ اگر اس کی ایک عادت اچھی نہ لگے دوسری اچھی لگے گی۔

بعض اوقات آدمی گھر سے باہر تو حسنِ اخلاق کا مظاہرہ کرتا پھرتا ہے، لیکن بیوی کے ساتھ اس کا رویہ بہت غلط ہوتا ہے۔ حالاں کہ بیوی، جو زندگی بھر کی ساتھی اس کی زیادہ مستحق ہے کہ اس کے ساتھ بہترین سلوک کیا جائے۔ حدیث میں اس شخص سب سے اچھا انسان کہا گیا ہے جس کا بیوی کے ساتھ رویہ اچھا ہو۔ حضرت ابو ہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

---

[1] ابو داؤد، کتاب النکاح، باب فی حق المرأۃ علی زوجھا۔

[2] مسلم، کتاب الرضاع، باب الوصیۃ بالنساء۔

اَکْمَلُ الْمُؤْمِنِیْنَ اِیْمَانًا اَحْسَنُھُمْ خُلُقًا وَ خِیَارُکُمْ خِیَارُکُمْ لِنِسَائِھِمْ[1]

ایمان والوں میں سب سے کامل ایمان اس شخص کا ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں اور تم میں بہتر لوگ وہ ہیں جو اپنی عورتوں کے حق میں بہتر ہیں۔

ایک روایت میں بیوی بچوں کے ساتھ لطف و محبت کو ایک ایسا وصف قرار دیا گیا ہے، جس سے ایمان کی تکمیل ہوتی ہے۔ چناں چہ حضرت عائشہؓ، رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتی ہیں:

اِنَّ مِنْ اَکْمَلِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِیْمَانًا اَحْسَنُھُمْ خُلُقًا وَ اَلْطَفُھُمْ بِاَھْلِہٖ[2]

ایمان والوں میں سب سے کامل ایمان اس شخص کا ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں اور جو اپنے بیوی بچوں کے ساتھ زیادہ لطف و محبت سے پیش آئے۔

حضرت عائشہؓ ہی کی ایک اور روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

خَیْرُکُمْ خَیْرُکُمْ لِاَھْلِہٖ وَ اَنَا خَیْرُکُمْ لِاَھْلِیْ[3]

تم میں بہتر شخص وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے حق میں بہتر ہو اور میں بھی اپنے گھر والوں کے لیے بہتر ہوں۔

۴- اسلام کے نزدیک زوجین کے تعلقات کی معیاری شکل یہ ہے کہ وہ کش مکش اور تنازعات سے پاک ہوں۔ بیوی شوہر کو مسرور و مطمئن رکھنے کی کوشش کرے، جائز کاموں میں اس کی اطاعت کرے اور اس کی عزت و ناموس اور مال و املاد کی حفاظت کرے۔ دوسری طرف شوہر اس طرح کی نیک اور صالح بیوی کو بہترین متاعِ حیات سمجھے اور اس کے ساتھ بہتر سے بہتر سلوک کرے۔

---

[1] ترمذی، کتاب الرضاع، باب ما جاء فی حق المرأۃ علی زوجھا۔

[2] ترمذی، کتاب الایمان، باب ما جاء فی استکمال الایمان۔

[3] ترمذی، کتاب المناقب، باب فضل ازواج النبیؐ، ورواہ ابن ماجہ عن ابن عباسؓ، کتاب النکاح، باب حسن معاشرۃ النساء۔

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا: نیک او صالح عورت کی کیا صفات ہیں؟ آپؐ نے فرمایا:

اَلَّتِیْ تَسُرُّهٗ اِذَا نَظَرَ وَ تُطِیْعُهٗ اِذَا اَمَرَ وَلاَ تُخَالِفُهٗ فِیْ مَا یَکْرَهُ فِیْ نَفْسِهَا وَمَالِهٖ[1]

جب شوہر اسے دیکھے تو خوش کردے، جب کوئی حکم دے تو مان لے اور اپنے ناموس اور اس کے مال (کی حفاظت کرے اور ان میں) اس کی خلاف ورزی، جسے وہ ناپسند کرتا ہے، نہ کرے۔

حضرت ابوامامہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَا اسْتَفَادَ الْمُؤْمِنُ بَعْدَ تَقْوٰی اللّٰهِ خَیْرًا لَهٗ مِنْ زَوْجَةٍ صَالِحَةٍ اِنْ اَمَرَهَا اَطَاعَتْه وَ اِنْ نَظَرَ اِلَیْهَا سَرَّتْهُ وَ ان اقْسَمَ عَلَیْهَا اَبَرَّتْهُ وَ اِنْ غَابَ عَنْهَا نَصَحَتْهُ فِیْ نَفْسِهَا وَ مَالِهٖ[2]

اللہ کے تقویٰ کے بعد ایک مومن جن چیزوں سے فائدہ اٹھاتا ہے ان میں صالح بیوی سے بہتر کوئی چیز نہیں ہے۔ ایسی بیوی کہ اسے حکم دے تو اطاعت کرے، دیکھے تو مسرت سے بھردے، کوئی بات قسم دے کر کہے تو اسے پوری کرے اور اس کی غیر موجودگی میں اپنے نفس اور اس کے مال میں خیر خواہی کا رویہ اختیار کرے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَلدُّنْیَا مَتَاعٌ وَ خَیْرُ مَتَاعِهَا اَلْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ[3]

یہ دنیا زندگی گزارنے کا سامان ہے۔ اس کا بہترین سامان صالح عورت ہے۔

حضرت عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا: اللہ تعالیٰ نے سونے اور چاندی کے جمع کرنے سے تو منع فرما دیا ہے، پھر ہم کس قسم کا مال اپنے پاس رکھیں؟ آپؐ نے فرمایا:

---

[1] مسند احمد، مسند ابی ھریرۃ، حدیث نمبر ۷۴۳۷۔ نسائی، کتاب النکاح، باب ای النساء خیر۔

[2] ابن ماجہ، کتاب النکاح، باب افضل النساء۔

[3] مسلم، کتاب الرضاع، باب الوصیۃ بالنساء۔ ابن ماجہ، کتاب النکاح، باب افضل النساء۔

لِيَتَّخِذْ اَحَدُكُمْ قَلْبًا شَاكِرًا وَ لِسَانًا ذَاكِرًا وَ زَوْجَةً مُؤْمِنَةً تُعِيْنُ اَحَدَكُمْ عَلٰى اَمْرِ الْاٰخِرَةِ۔

تم میں سے ہر کسی کو شکر گزار دل، اللہ کو یاد کرنے والی زبان اور مومن بیوی جو آخرت کے کاموں میں اس کی مدد کرے، اپنے پاس رکھنا چاہیے (یہی سب سے بڑی دولت ہے)۔

اس سے بہ آسانی تصور کیا جاسکتا ہے کہ اسلام میاں بیوی کے درمیان کس قسم کے تعلقات دیکھنا چاہتا ہے۔ اس طرح کے تعلقات پائے جائیں تو دونوں ایک دوسرے کے معاون اور بہی خواہ ہوں گے، ان کی زندگی خوش گوار اور مثالی ہوگی اور حقوق و اختیارات کے وہ ناپسندیدہ مسائل، جن کی وجہ سے خانگی زندگی تباہ و برباد ہوجاتی ہے، کبھی کھڑے نہ ہوں گے۔

لڑکی سے محبت اور اس کے تقاضے

دورِ جاہلیت میں لڑکے بہت بڑا سرمایہ سمجھے جاتے تھے اور ان کے وجود پر فخر کیا جاتا تھا، اس لیے کہ ان سے قبیلہ کی قوت میں اضافہ ہوتا اور معاشی تگ و دو میں وہ معاون اور مددگار ہوتے تھے، لیکن لڑکیاں اہل عرب کے لیے ایک بوجھ تھیں۔ ان کو وہ موجبِ عار سمجھتے اور ان کے ذکر ہی سے ان کا سر شرم سے جھک جاتا تھا۔ قرآن مجید نے لڑکیوں کے بارے میں ان کے جذبات کی تصویر کشی ان الفاظ میں کی ہے:

وَ اِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ○ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ؕ اَ يُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِي التُّرَابِ ؕ (النحل:۵۸،۵۹)

جب ان میں سے کسی کو لڑکی کی خوش خبری دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور وہ غم سے گھٹنے لگتا ہے۔ اس خبرِ بد کی وجہ سے لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے (اور اس سوچ میں پڑجاتا ہے کہ) آیا ذلت برداشت کرتے ہوئے اسے باقی رکھے یا مٹی کے نیچے دفن کردے۔

ان مکروہ جذبات کا ایک نتیجہ یہ بھی تھا کہ بعض قبائل لڑکیوں کو زندہ دفن کردیتے تھے۔ قرآن مجید نے قتل اولاد کی سخت مذمت کی، اسے ایک سنگین جرم قرار دیا اور ہمیشہ

ترمذی، کتاب التفسیر (سورۃ التوبۃ)۔ ابن ماجہ، کتاب النکاح، باب افضل النساء

کے لیے اسے ختم کردیا۔ اس نے کہا کہ قیامت کے روز اس شقاوت اور سنگ دلی کا خد کو جواب دینا ہوگا۔ فرمایا:

وَ اِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ○ بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ○ (التکویر:۸،۹)

اور اس وقت کو یاد کرو جب کہ اس لڑکی سے پوچھا جائے گا جسے زندہ دفن کیا گیا تھا کہ کس جرم میں اسے مارا گیا۔

اسلام نے لڑکیوں کے بارے میں جاہلیت کے جذبات کے بالکل برعکس جذبات پیدا کیے۔

۱- اس نے پہلی بات یہ کہی کہ یہ اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے کہ وہ کسی کو اولاد سے نوازتا ہے اور کسی کو اس سے محروم کردیتا ہے، کسی کو صرف لڑکے عطا کرتا ہے اور کسی کو صرف لڑکیاں، کسی کو لڑکے اور لڑکیاں دونوں ہی دیتا ہے۔ ان میں سے کوئی بھی صورت نہ تو باعثِ افتخار ہے اور نہ ذلت و رسوائی کا سبب۔ یہ سب کچھ خدا کی قدرت کے مظاہر ہیں اور ان کے پیچھے خدا کا بے پایاں علم اور حکمت کام کرتی ہے، جو لوگ اسے عزت ذلت کا معیار سمجھتے ہیں وہ اس کی حکمت پر حرف گیری کرتے ہیں۔ فرمایا:

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ؕ یَهَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ اِنَاثًا وَّ یَهَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ الذُّكُوْرَ○ اَوْ یُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّ اِنَاثًا ۚ وَ یَجْعَلُ مَنْ یَّشَآءُ عَقِیْمًا ؕ اِنَّهٗ عَلِیْمٌ قَدِیْرٌ○ (الشوریٰ:۴۹،۵۰)

اللہ ہی کے لیے ہے آسمان اور زمین کی بادشاہت۔ وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، جسے چاہتا ہے لڑکیاں دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے لڑکے عطا کرتا ہے۔ یا انہیں لڑکوں اور لڑکیوں کے جوڑے دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے بانجھ بنا دیتا ہے۔ بے شک وہ علم والا اور قدرت والا ہے۔

۲- لڑکیوں کی پرورش کی ترغیب دی گئی۔ اسے کارِ ثواب اور حصولِ جنت کا بہت بڑا ذریعہ قرار دیا گیا۔ حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ بُلِیَ مِنْ هٰذِهِ الْبَنَاتِ شَیْئًا فَاَحْسَنَ اِلَیْهِنَّ کُنَّ له سِترا من النارِ[1]

اللہ تعالیٰ جس شخص کو ان لڑکیوں کے ذریعہ کچھ بھی آزمائش میں ڈالے اور وہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرے تو وہ اس کے لیے جہنم سے بچاؤ کا ذریعہ ہوں گی۔

احادیث میں دو تین لڑکیوں بلکہ ایک لڑکی کی پرورش پر بھی جنت کی خوش خبری دی گئی ہے۔ اس سے اس شخص کے اجر وثواب کا اندازہ کیا جاسکتا ہے، جسے تین سے بھی زیادہ بچیوں کی نگہ داشت کرنی پڑے۔ حضرت عقبہ بن عامرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ کَانَتْ لَهٗ ثَلَاثُ بَنَاتٍ فَصَبَرَ عَلَیْهِنَّ فَاَطْعَمَهُنَّ وَ سَقَاهُنَّ وَ کَسَاهُنَّ مِنْ جِدَّتِهٖ کُنَّ لَهٗ حِجَابًا مِّنَ النَّارِ[2]

جس شخص کے تین لڑکیاں ہوں، وہ ان کے سلسلے کی پریشانیوں پر صبر کرے اور اپنی محنت کی کمائی سے ان کو کھلائے، پلائے اور پہنائے تو وہ اس کے لیے جہنم کی آگ سے حجاب بن جائیں گی۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ عَالَ جَارِیَتَیْنِ حَتّٰی تَبْلُغَا جَاءَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَنَا وَهُوَ هٰکَذَا

جو شخص دو بچیوں کی ان کے جوانی کو پہنچنے تک پرورش کرے گا قیامت کے روز میں اور وہ اس طرح (مل کر) آئیں گے۔

یہ کہہ کر آپ نے دو انگشت ہائے مبارک کو ملا کر دکھایا۔[3]

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ کُنَّ لَهٗ ثَلَاثُ بَنَاتٍ فَصَبَرَ عَلٰی لَاوَائِهِنَّ وَ ضَرَّائِهِنَّ اَدْخَلَهُ

جس کسی کے تین لڑکیاں ہوں اور وہ ان کے سلسلے کی تکلیفوں اور معاشی پریشانیوں پر صبر کرے تو ان کے ساتھ اس کی ہم دردی کی وجہ سے

---

[1] بخاری، کتاب الادب، باب رحمۃ الولد وتقبیلہ الخ۔ مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب فضل احسان الی البنات۔

[2] مسند احمد: حدیث عقبہ بن عامر، حدیث نمبر ۱۶۹۵۰۔ ابن ماجہ، کتاب الادب، باب برّ الوالد الاحسان الی البنات۔

[3] مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی النفقۃ علی البنات۔

اللّٰهُ الْجَنَّةَ بِرَحْمَتِهٖ اِيَّاهن قَالَ: فَقَالَ رَجُلٌ وَ ابْنَتَانِ يا رسول الله؟ قال و ان ابنتان قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللّٰهِ وَ وَاحِدَة؟ قَالَ: و وَاحِدَةً[1]

اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل فرمائے گا۔ فرماتے ہیں اس پر ایک شخص نے پوچھا: اے اللہ کے رسولؐ، اگر کسی کے دو لڑکیاں ہوں (اور وہ ان کے سلسلہ میں تکلیف برداشت کرے تو؟) آپ نے فرمایا، دو لڑکیاں ہوں تو بھی (اللہ تعالیٰ جنت عطا فرمائے گا)۔ ایک شخص نے کہا اگر ایک ہو؟ آپ نے فرمایا ایک ہو تو بھی۔

۳- احادیث میں اس بات کی بھی ترغیب دی گئی ہے کہ بچیوں کی پرورش کے ساتھ ان کو اچھی تعلیم و تربیت دی جائے، ان کا مناسب رشتہ کیا جائے اور اس کے بعد بھی ان کے ساتھ حسنِ سلوک جاری رکھا جائے۔ حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ عَالَ ثَلاثَ بَنَاتٍ فَاَدَّبَهُنَّ وَ زَوَّجَهُنَّ وَ اَحْسَنَ اِلَيْهِنَّ فَلَهُ الْجَنَّةُ[2]

جس نے تین لڑکیوں کی پرورش کی، ان کو تعلیم و تربیت دی، ان کی شادی کی اور ان کے ساتھ (بعد میں بھی) حسن سلوک کیا تو اس کے لیے جنت ہے۔

۴- عام طور پر لڑکوں سے زیادہ محبت کی جاتی ہے۔ غذا، لباس، علاج اور تعلیم و تربیت جیسے امور میں ان کے ساتھ ترجیحی سلوک ہوتا ہے۔ یہ سراسر ظلم اور ناانصافی ہے۔ حدیث میں اس سے منع کیا گیا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ كَانَتْ لَهُ اُنْثٰى فَلَمْ يَئِدْهَا وَلَمْ يُهِنْهَا وَلَمْ يُؤْثِرْ وَلَدَهُ عَلَيْهَا يَعْنِي الذُّكُوْرَ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ[3]

جس شخص کے لڑکی ہو وہ نہ تو اسے زندہ درگور کرے اور نہ اس کے ساتھ حقارت آمیز سلوک کرے اور نہ اس پر اپنے لڑکے کو ترجیح دے تو اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل فرمائے گا۔

---

[1] حاکم، المستدرک، کتاب البر والصلۃ، حدیث نمبر ۷۳۴۶۔ ۴/ ۱۹۵

[2] ابوداؤد، کتاب الادب، باب فضل من عال یتامیٰ۔

[3] ابوداؤد، کتاب الادب، باب فضل من عال یتامیٰ۔ الحاکم، المستدرک: کتاب البر والصلۃ حدیث نمبر ۷۳۴۸۔

ان احادیث میں لڑکیوں کی پرورش، تعلیم و تربیت، شادی بیاہ اور ان کے ساتھ ساوی سلوک پر جہنم سے نجات پانے اور جنت کے ملنے کی خوش خبری دی گئی ہے۔ جس خص کو خدا اور آخرت پر یقین نہیں ہے اور جو اس دنیا ہی کو سب کچھ سمجھے ہوئے ہے وہ اس کی اہمیت محسوس نہیں کرسکتا، لیکن ایک مومن کا مطمحِ نظر ہی آخرت کی کامیابی ہوتا ہے، اس کے لیے اس بشارت میں وہ سب کچھ ہے، جو وہ چاہتا ہے۔

اس ترغیب کے ساتھ بچیوں کے بارے میں یہ تصور بھی ذہن نشیں کیا گیا کہ وہ جیسا کہ دنیا سمجھتی ہے، بے حیثیت اور کم قیمت نہیں ہیں، بلکہ وہ قدرت کا گراں مایہ عطیہ ہیں۔ ان کے اندر، جو انس اور محبت ہوتی ہے وہ لڑکوں میں نہیں ہوتی۔ حضرت عقبہ بن عامرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لاَ تَكْرَهُوا الْبَنَاتِ فَإِنَّهُنَّ الْمُؤْنِسَاتُ الْغَالِيَاتُ[1]

لڑکیوں سے نفرت مت کرو۔ وہ تو غم خوار اور بڑی قیمتی ہیں۔

لڑکی کے ساتھ حسنِ سلوک کی یہ وہ تعلیم ہے جس کی نظیر کہیں نہیں ملتی۔ اسلامی انون کی رو سے اولاد اگر صاحبِ حیثیت نہیں ہے اور اس کے پاس کوئی جائز ذریعہ بھی ہیں ہے تو باپ پر اس کا نفقہ واجب ہو جاتا ہے۔ اس اصول کے تحت لڑکوں کی طرح کیوں کا نفقہ بھی اس پر واجب ہے۔ لڑکی کا نفقہ اس کی شادی تک باپ پر اور باپ کی رم موجودگی میں اس کے قریب ترین رشتہ دار پر ضروری ہے۔ شادی کے بعد شوہر اس کے نان ونفقہ کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ شوہر کا انتقال ہوجائے یا وہ اسے طلاق دے دے اور درت معاشی لحاظ سے خود کفیل نہ ہو تو اس کی اولاد پر اور اولاد نہ ہونے کی صورت میں پ یا دوسرے قریبی رشتہ داروں پر اس کی ذمے داری عائد ہوتی ہے۔ یہ اس کا قانونی ق بھی ہے اور حدیث میں اس کی بڑی فضیلت بھی بیان کی گئی ہے۔ حضرت سراقہ بن

---

[1] مسند احمد: حدیث عقبہ بن عامر، حدیث ۱۶۹۲۲۔ قال المناوی اسنادہ حسن۔ التیسیر بشرح امع الصغیر: ۲/ ۴۹۸

مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا:

اَلاَ اَدُلُّکَ عَلٰی اعظَمِ الصَّدقةِ — کیا میں تمہیں یہ نہ بتاؤں کہ سب سے بڑا صدقہ کیا ہے؟

انہوں نے عرض کیا: حضور! (ﷺ) ضرور بتایئے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

اِبنَتُکَ مَرْدُوْدَةٌ اِلَیکَ لَیسَ لَهَا کَاسِبٌ غَیْرُکَ[1] — اپنی اس بچی پر احسان کرنا جو (بیوہ ہونے یا طلاق دیے جانے کی وجہ سے) تیری طرف لوٹا دی گئی ہو اور تیرے سوا کوئی دوسرا اس کا کمانے والا نہ ہو۔

صحابہ کرامؓ اپنی بیوہ اور مطلقہ لڑکیوں کا کس حد تک خیال رکھتے تھے اس کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ حضرت زبیرؓ نے اپنے کچھ مکانات وقف کیے تھے۔ اس وقف کی تفصیلات میں یہ بات بھی داخل تھی:

لِلْمَرْدُوْدَةِ مِنْ بَنَاتِهِ اَنْ تَسْکُنَ غَیْرَ مُضِرَّةٍ وَّلاَ مُضَرٌّ بِهَا فَاِنِ اسْتَغْنَتْ بِزَوْجٍ فَلَیْسَ لَهَا حَقٌّ[2] — ان کی جو لڑکی (طلاق یا بیوگی کی وجہ سے) واپس گھر آجائے گی وہ ان میں رہے گی۔ نہ وہ نقصان پہنچائے گی اور نہ اُسے نقصان پہنچایا جائے گا۔ پھر اگر شوہر کی وجہ سے وہ اس سے بے نیاز ہوجائے تو اس کا ان میں کوئی حق نہیں ہوگا۔

بہن کی خدمت اور کفالت

عورت کی ایک حیثیت بہن کی ہے۔ بھائی اور بہن کا رشتہ خونی رشتہ ہے۔ ان کے درمیان فطری طور پر محبت و الفت کے جذبات پائے جاتے ہیں اور ان کا تعلق مثالی سمجھا جاتا ہے۔ لیکن خاندانی زندگی میں اس کی اہمیت پوری طرح نہیں محسوس کی جاتی۔ اسلام نے اس رشتہ کو مضبوط کیا ہے۔ بعض اوقات بہن کو بھائی کی مدد اور تعاون کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اس کا پورا کرنا بڑے اجر و ثواب کا باعث اور جنت تک

---

[1] مسند احمد، حدیث سراقہ بن مالک، ۱۷۱۳۶۔ ابن ماجہ، کتاب الادب، باب برّ الوالد والاحسان الی البنات۔ حاکم، المستدرک، کتاب البر والصلۃ۔ حدیث نمبر ۷۳۴۵

[2] بخاری، کتاب الوصایا، باب اذا وقف ارضا او بئرا و اشترط الخ۔

سائی کا ذریعہ ہے۔ حدیث میں بیٹی کی طرح بہن کی پرورش، تعلیم وتربیت اور شادی کی غیب دی گئی ہے۔

حضرت ابوسعید خدریؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں:

لاَ یَکُوْنُ لِاَحَدِکُمْ ثَلاَثُ بَنَاتٍ اَوْ ثَلاَثُ اَخَوَاتٍ فَیُحْسِنُ اِلَیْهِنَّ اِلاَّ دَخَلَ الْجَنَّةَ[1]

تم میں سے جس کے تین لڑکیاں یا تین بہنیں ہوں اور وہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرے تو جنت میں ضرور داخل ہوگا۔

حضرت ابوسعید خدریؓ ہی کی ایک دوسری روایت میں دولڑکیوں اور دو بہنوں کی خدمت اور حسن سلوک پر جنت کی خوش خبری دی گئی ہے۔ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ کَانَتْ لَهٗ ثَلاَثُ بَنٰتٍ اَوْ ثَلاَثُ اَخَوَاتٍ اَوْ اِبْنَتَانِ اَوْ اُخْتَانِ فَاَحْسَنَ صُحْبَتَهُنَّ وَ اتَّقَی اللّٰهَ فِیْهِنَّ فَلَهُ الْجَنَّةُ[2]

جس کسی کے تین لڑکیاں یا تین بہنیں ہوں یا دو لڑکیاں اور دو بہنیں ہی ہوں اور وہ ان کے ساتھ اچھی رفاقت اختیار کرے اور ان کے بارے میں اللہ سے ڈرے تو اس کے لیے جنت ہے۔

ایک روایت میں بیٹیوں اور بہنوں کی کفالت اور نگہ داشت پر جنت میں رسول اللہ ﷺ کی رفاقت کی خوش خبری دی گئی ہے۔ ارشاد ہے:

مَنْ عَالَ اِبْنَتَیْنِ اَوْ ثَلاَثَ بَنَاتٍ اَوْ اُخْتَیْنِ اَوْ ثَلاَثَ اَخَوَاتٍ حَتّٰی یَمُتْنَ اَوْ یَمُوْتُ عَنْهُنَّ کُنْتُ اَنَا وَ هُوَ هَاتَیْنِ وَ اَشَارَ بِاِصْبَعَیْهِ السَّبَّابَةِ وَالْوُسْطٰی[3]

جس نے دو یا تین لڑکیوں کی یا دو یا تین بہنوں کی پرورش کی، یہاں تک کہ وہ انتقال کر جائیں یا ان کو چھوڑ کر وہ خود انتقال کر جائے تو میں اور وہ جنت میں اس طرح (قریب) ہوں گے۔ یہ کہہ کر آپ نے اپنی دو انگلیوں، شہادت کی انگلی اور درمیان کی انگلی سے اشارہ فرمایا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

---

[1] ترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی النفقۃ علی البنات۔

[2] حوالہ سابق۔

[3] مسند احمد: مسند انس بن مالک، حدیث نمبر ۱۲۰۸۹۔

مَنْ عَالَ ثَلاَثَ بَنَاتٍ اَوْ مِثْلَهُنَّ مِنَ الْاَخَوَاتِ فَاَدَّبَهُنَّ وَ رَحِمَهُنَّ حَتّٰی یُغْنِیَهُنَّ اللّٰهُ اَوْجَبَ اللّٰهُ لَهُ الْجَنَّةَ

جو شخص تین لڑکیوں کی یا ان جیسی تین بہنوں کی پرورش کرے، ان کو ادب اور سلیقہ سکھائے، ان کے ساتھ شفقت و محبت کا سلوک کرے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کو بے نیاز کردے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت واجب کردے گا۔

یہ ثواب سن کر ایک شخص نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ اگر کوئی لڑکیوں یا بہنوں کی اسی طرح خدمت کرے تو کیا اسے بھی یہی ثواب ملے گا؟ آپ نے فرمایا: ہاں! دو پر بھی یہی ثواب ملے گا۔ راوی کا بیان ہے کہ اگر وہ ایک کے بارے میں سوال کرتا تو بھی آپ یہی جواب دیتے۔[1]

یہ احادیث بتاتی ہیں کہ ایک لڑکی یا ایک بہن کی پرورش اور تعلیم و تربیت سے بھی آدمی جنت کا مستحق ہو جاتا ہے۔ اگر وہ ایک سے زیادہ کا بوجھ اٹھائے تو امید ہے اس کے درجات اور بلند ہوں گے۔

آدمی کو طبعی طور پر بہن سے وہ تعلق خاطر نہیں ہوتا، جو بیٹی سے ہوتا ہے۔ اس لیے اس کی فکر بھی اسے کم ہوتی ہے۔ ان احادیث میں بتایا گیا ہے کہ بیٹی کے ساتھ حسن سلوک اور اس کی ضروریات کی تکمیل کا، جو اجر و ثواب ہے، بہن سے حسن سلوک اور اس کی خدمت کا بھی وہی اجر و ثواب ہے۔ اس لیے بہن کے سلسلے میں آدمی کے وہی جذبات ہونے چاہئیں جو بیٹی کے سلسلے میں ہوتے ہیں۔ اس تعلیم کے، جو اثرات رونما ہوئے اس کا اندازہ ایک واقعہ سے ہوسکتا ہے:

حضرت عبد اللہ بن حرام انصاریؓ کا واقعہ ہے کہ انھوں نے جنگِ احد میں شرکت کا ارادہ کیا تو اپنے بیٹے حضرت جابرؓ سے کہا: بیٹے! خیال ہو رہا ہے کہ اس جنگ میں جو لوگ سب سے پہلے اپنی جان کی بازی لگائیں گے میں بھی ان میں ہوں گا۔ مجھ

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الآداب، باب فی البر والصلۃ بحوالہ شرح السنۃ۔

قرض ہے۔ میرے بعد اسے ادا کردو اور میں وصیت کرتا ہوں کہ تم اپنی بہنوں کے ساتھ بہتر سلوک کرو۔[1]

اس وقت حضرت جابرؓ جوان تھے، لیکن انہوں نے ایک بیوہ کو اپنے نکاح کے لیے منتخب کیا۔ نبی ﷺ نے ان کی عمر کی رعایت سے دریافت کیا:

هَلَّا جَارِيَةً تُلَاعِبُهَا وَ تُلَاعِبُكَ وَ تُضَاحِكُهَا وَ تُضَاحِكُكَ

تم نے کسی جوان لڑکی سے کیوں نہیں شادی کی کہ تم اس کے ساتھ کھیل کرتے اور وہ تمہارے ساتھ کھیل کرتی۔ تم اس سے ہنسی مذاق کرتے اور وہ تمہارے ساتھ ہنسی مذاق کرتی۔

حضرت جابرؓ نے جواب دیا:

يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اَبِیْ قُتِلَ يَوْمَ اُحُدٍ وَ تَرَكَ تِسْعَ بَنَاتٍ كُنَّ لِیْ تِسْعَ اَخَوَاتٍ فَكَرِهْتُ اَنْ اَجْمَعَ اِلَيْهِنَّ جَارِيَةً خَرْقَاءَ مِثْلَهُنَّ وَلٰكِنَّ اِمْرَأَةً تَمْشِطُهُنَّ وَ تَقُوْمُ عَلَيْهِنَّ قَالَ اَصَبْتَ[2]

یا رسول اللہ! میرے والد اُحد کے معرکے میں شہید کردیے گئے اور اپنے پیچھے نو لڑکیاں چھوڑ گئے، جو میری نو بہنیں ہوئیں۔ ان کی نگہ داشت کے پیش نظر میں نے یہ پسند نہیں کیا کہ ان کے ساتھ ان ہی جیسی ناتجربہ کار لڑکی کو جمع کردوں۔ اس لیے ایک ایسی عورت کا انتخاب کیا جو ان کی کنگھی چوٹی اور دیکھ بھال کرسکتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا: ٹھیک کیا تم نے۔

یہ دراصل اسلامی تعلیم کا کرشمہ تھا کہ ایک نوجوان جس کے سینہ میں جذبات کا سمندر متلاطم ہو اور جس کا نوخیز شباب اپنے ہم عمر جوڑے کا طالب ہو وہ بہنوں کی خاطر اپنے جذبات کی آسودگی کا ایسا حل تلاش کرتا ہے، جسے جوانی کی سرمستیاں بآسانی قبول میں کرسکتیں۔

بہن کے ساتھ الفت و محبت کا زبان سے اظہار تو آسان ہے، لیکن جب تک

---

[1] ابن اثیر الجزری، اسد الغابۃ: ۳/ ۳۴۴

[2] بخاری، کتاب المغازی، اِذْ هَمَّتْ طَائِفَتَانِ، نیز کتاب النفقات۔ مسلم کتاب الرضاع، باب تحاب نکاح البکر۔

رضائے الٰہی کا جذبہ اور آخرت کے اجر و ثواب پر یقین نہ ہو اس طرح کی قربا آسان نہیں ہے۔

اسلام نے وقت ضرورت بہن کی کفالت اور تعلیم و تربیت کی ترغیب ہی نہیں دی، بلکہ بھائی اور بہن کے قانونی حقوق بھی رکھے ہیں۔ وہ بعض حالات میں وراثت میں ایک دوسرے کے حق دار ہوتے ہیں اور ان پر ان کی کفالت بھی لازم آتی ہے۔ وہ اقدام ہے، جس کا عورت کی تاریخ میں کہیں ثبوت نہیں ہے۔